© rasailojaraid.com

امام طحاویؒ

(۵)

از جناب مولوی سید قطب الدین صاحب حسینی صابری ایم۔ اے (عثمانیہ)

قاضی حربویہ اور امام طحاوی میں بے تکلفی

اور صرف اُستادی و شاگردی نہیں بلکہ جہاں تک واقعات سے معلوم ہوتا ہے، امام طحاویؒ قاضی حربویہ کی جلالتِ شان اور خاصی طبیعت کے باوجود ان سے بہت مانوس اور شوخ ہو گئے تھے جس کا ثبوت ایک تو اسی مذاکرہ ٭ نقلیدی سے ہوتا ہے، نیز طحاوی خود ہی بیان کرتے ہیں کہ حربویہ سے میں بہت کھل کھل کر باتیں کرتا تھا۔ اسی سلسلہ میں ایک دفعہ ذرا قاضی صاحب طحاوی پر جھنجھلا بھی گئے، قصہ یہ ہے کہ جب دونوں میں مراسم بے تکلفی کی حد تک پہنچ گئے تو مختلف مسائل کے سلسلہ میں امام طحاویؒ اپنے اساتذہ کے اقوال و آراء کو بھی بطورِ سند کے حربویہ کے سامنے پیش کیا کرتے تھے، جیسا کہ گذر چکا طحاویؒ کے استادوں میں ایک عالم و محدث ابنِ ابی عمران بھی تھے چونکہ ان ہی سے امام مزنی کے یہاں سے ہٹنے کے بعد طحاوی نے زیادہ نفع اٹھایا تھا اس لئے قدرتی طور پر مذاکروں میں وہ ان کے حوالوں سے اکثر چیزیں بیان کرتے تھے۔ غالباً قاضی حربویہ کو اپنے نظریات کے مقابلہ میں ابنِ ابی عمران کے قول کا پیش کرنا کچھ گراں گزرتا تھا مگر طحاوی کے لحاظ سے اپنے اس جذبہ کا اظہار نہیں کرتے تھے، مگر آخر کب تک۔ ایک دن جب گفتگو کی مجلس گرم تھی حسب دستور اس وقت بھی مسلسل طحاوی قال ابن ابی عمران کہتے جارہے تھے۔ قاضی کے لئے آخر یہ ان کا طرزِ عمل ناقابلِ برداشت ہوگیا اور برہم ہو کر بولے

الی کم تقول قال ابن ابی عمران وقد رائت — تم کب تک بولتے جاؤگے ابن ابی عمران نے یوں کہا یوں کہا

ھذ الرجل بالعراق۔ — میں نے اس شخص کو عراق میں دیکھا تھا۔

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

مطلب یہ تھا کہ بھائی آپ کے استاد ابن عمران کو میں سرزمین عراق میں دیکھ چکا ہوں بیچارہ وہاں تو معمولی آدمی تھا اور اس کے بعد تو قاضی کی زبان سے ایک ڈھلا ہوا یہ فقرہ نکل پڑا۔

ان البغاث بارضکم تستنسر تمہاری سرزمین میں تو ایسی چڑیا جس کا کوئی شکار نہیں کرتا یہاں پہنچکر گدھ بن جاتی ہے

امام طحاوی کا بیان ہے کہ یہ فقرہ قاضی حربویہ کی زبان سے کچھ اس طرح بے ساختہ نکلا کہ مصر میں اس فقرہ نے بھی ضرب المثل کی حیثیت اختیار کر لی[1]۔ اور شاید اب بھی اس کا شمار عربی کی مثل السائرہ میں ہو، گویا حربویہ کی بدولت ایک تو تقلید والا فقرہ اور دوسرے یہ دونوں ضرب المثل بن گئے۔

قاضی حربویہ کا ابن ابی عمران کے متعلق ایک مدت کے ضبط کے بعد اتنی بات کہنی کوئی معمولی بات نہ تھی جس شخص کی حیا اور شرم کی یہ حالت ہو جیسا کہ بیان کر آیا ہوں کہ کسی نے کھانے پینے وضو کرتے ان کو نہیں دیکھا حد یہ تھی کہ خادم کو بھی بلانے کا ایک خاص طریقہ تھا۔ ابن زولاق ہی کی روایت ہے کہ قاضی ابن الحداد مجھ سے کہتے تھے کہ میں نے قاضی حربویہ کے گھر کے لوگوں سے پوچھا کہ جب کوئی ان کو کھاتے پیتے نہیں دیکھتا تو کیا نوکر بھی نہیں دیکھتے قاضی آخر کرتے کیا ہیں۔ ان کے گھر کے لوگوں نے بیان کیا کہ قاضی کے پاس کوئی خاص برتن تھا جو سر پوش سے چھپا رہتا تھا اس میں قاضی صاحب کے کھانے پینے کی چیزیں رہتی تھیں۔ خادم کمرے میں اس کو رکھ آتا۔ قاضی اندر چلے جاتے جب فارغ ہوتے تو آواز دیکر خادم کو نہیں بلاتے بلکہ

فاذا فرغ یا کل نقر المائدۃ باصبعہ جب کھانے سے فارغ ہو جاتے تو میز پر انگلی مارتے

فیدخل الغلام فیرفع المائدۃ و اس کی آواز سن کر غلام اندر جاتا اور میز کو اٹھا لیتا اور

یاتی بالطشت ویخرج۔ طشت لاکر دیتا پھر باہر ہو جاتا۔

قاضی تنہائی میں جب اچھی طرح ہاتھ منہ دھو لیتے تو پھر وہی طشت کو انگلی سے ٹھکراتے تب غلام داخل ہوتا اور طشت کو اٹھا کر لیجاتا۔

یہ تو کھانے پینے کے آداب تھے۔ وضو و غسل وغیرہ کے متعلق بھی کہتے ہیں کہ آفتابہ یا لوٹا جو برتن ہو اس کو

[1] طبقات ۵۲۹

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

ٹھوکرے بجاکر نوکر بلایا جاتا اور رخصت کیا جاتا۔ اندازہ کیا جاسکتا ہے کہ جس کے شرم کا یہ حال ہو کہ خادم کے بلانے میں بھی حیا آتی ہو۔ طحاوی سے اتنی گفتگو بھی انھوں نے گویا بہت زیادہ تحمل اور ضبط کے بعد کی ہوگی۔ اور اس سے امام طحاویؒ کی جو عظمت ان کے قلب میں تھی اس کا پتہ چلتا ہے۔

قاضی حربویہ عہدۂ قضا سے جدا ہونے کے بعد کچھ دن اور مصر میں رہے، پھر بغداد ہی واپس ہوگئے۔ ان کے چلے جانے کے بعد چونکہ امام طحاویؒ کی عمر زیادہ ہوگئی تھی اور قاضی حربویہ کی قدر افزائیوں نے ان کی عظمت وجلالت کو اور دوبالا کردیا تھا۔ ایسا معلوم ہوتا ہے کہ قاضی حربویہ کے جانے کے بعد مصر میں امام طحاوی کے ہم پلہ شاید ہی گنتی کے دو تین آدمی رہ گئے ہوں، عام طور پر اب صرف عوام ہی میں نہیں بلکہ خواص میں بھی ان کی بڑی آؤ بھگت ہونے لگی اور رفتہ رفتہ مصر ہی نہیں بلکہ بغداد میں بھی ان کا شمار مصر کے ارباب حل وعقد اور چیدہ لوگوں میں ہونے لگا۔ کہا جاتا ہے کہ قاضی حربویہ کی جگہ جب بغداد سے خاص اسباب کے ماتحت ابن مکرم نامی ایک نوجوان ناتجربہ کار عالم قاضی مصر کا بناکر بھیجا گیا تو اسی کے ساتھ خلیفۂ وقت کے وزیر ابوالحسین ابن الفرات نے ایک مراسلہ بھی اس لئے جاری کیا کہ گو قاضی تو ابنِ مکرم ہی رہیں گے لیکن چونکہ ابھی نوآموز ہیں اس لئے نیابت میں کسی پختہ کار عالم کا بھی تقرر کیا جائے۔ ابن الفرات نے اس مراسلہ کو مصر کے چار سربرآوردہ لوگوں کے نام جاری کیا تھا۔ ان چاروں میں ایک نام طحاوی کا بھی تھا[1]۔

خیر ان چاروں نے مل کر نائب قاضی کے لئے جس کا انتخاب کیا اور جس طریقہ سے کیا یہ ایک طویل قصہ ہے مجھے تو صرف امام طحاوی کے اس مقام اور منزلت کو بتانا ہے جو ان کو مصر میں اب حاصل ہو گئی تھی کہ عباسی خلافت کا وزیر بغداد سے ان پر اعتماد کرتا تھا اور یہ واقعہ تو اس وقت کا ہے جب قاضی حربویہ ابھی مصر ہی میں ہیں جس کے یہ معنی ہیں کہ ممالک محروسہ عباسیہ میں ان کی شہرت قاضی حربویہ کے عہد ہی میں ہوچکی تھی۔

گذشتہ بالا واقعات سے ایک نتیجہ یہ بھی پیدا ہوتا ہے اور میرے خیال کی تائید ہوتی ہے کہ محمد بن عبدہ کی سکریٹری ہونے کے بعد پھر امام طحاویؒ نے حکومت سے ملازمت اور عہدہ داری کے تعلق نہ پیدا کرنے کا ارادہ قطعی طور پر طے کرلیا تھا۔ ورنہ ابن الفرات وزیر خلافتِ عباسیہ نے جہاں ان کو نائب قاضی کے انتخاب کے لئے مراسلہ بھیجا تھا

[1] ملحقات ص ۵۳۲۔

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

یہ ہی کیوں نہیں کیا کہ خود ان ہی کو قاضی بنا دیتا۔ اس لئے کہ بغداد تک طحاوی کی جو شہرت پہنچی ہوگی ظاہر ہے کہ وہ دولت و امارت کی تو ہوگی نہیں بیچارے ایسے کہاں کے امیر تھے۔ لامحالہ یہی ماننا پڑے گا کہ علم و فضل نے ان کے نام کو اونچا کیا تھا اور جب ان کا علم و فضل مسلم تھا تو نائب قاضی ہونے کی صلاحیت ان سے زیادہ اور کس میں ہو سکتی تھی خصوصاً جب قاضی بکار اور قاضی محمد بن عبدہ دو دو زبردست قاضیوں کے سکریٹری کا کام ایک زمانہ تک یہ انجام دے چکے تھے نیز اگر ان کی خواہش ملازمت کی ہوتی تو جب ان کو بھی بغداد سے نیابت کے انتخاب کا اختیار دیا گیا تھا تو اپنے رفقاءِ کار کو با آسانی ہموار کر کے خود اس عہدہ پر قبضہ کر سکتے تھے۔

بہرحال میرا خیال یہی ہے کہ اس ملازمت اور اس کے بعد جو تلخ تجربات حکومت کے عہدہ کے ان کو دو دو دفعہ ہو چکے تھے اس نے پھر اس چکھی ہوئی چیز کے نگلنے پر ان کو آمادہ نہ کیا۔ غالباً منجملہ اور وجوہ کے ان کی شانِ استغنا بھی آئندہ ان کی عظمت پر اثر انداز ہوئی۔

امام طحاویؒ کی بے تعصبی

ایک بات البتہ اس سلسلہ میں قابلِ ذکر ہے کہ جن چار آدمیوں کی کمیٹی کے سپرد ابنِ مکرم قاضی کی نیابت کا مسئلہ کیا گیا تھا تو جیسا کہ ابنِ یونس نے لکھا ہے ان حضرات نے ابو الذکر کا انتخاب کیا تھا۔ [۱] اور یہ ابو الذکر حالانکہ مالکی المذہب تھے، اور ابن مکرم اگرچہ جوان تھا لیکن حنفی مذہب رکھتا تھا۔ علامہ طحاوی اگر متعصب آدمی ہوتے تو اتنا ضرور کر سکتے تھے کہ بجائے مالکی کے کسی حنفی کے تقرر کرانے کی کوشش کرتے۔ خصوصاً ایک بڑا نقطۂ بحث ان کا یہ ہو سکتا تھا کہ جب اصل قاضی کا مذہب حنفی ہے تو نائب کو بھی حنفی ہی ہونا چاہئے مگر انھوں نے ایسا نہیں کیا اور باوجود مالکی ہونے کے ابو الذکر محمد بن یحییٰ المالکی کا ہی انتخاب کیا۔ مگر اس رواداری کا اثر یہ ہوا کہ ابو الذکر کو بھی امام طحاویؒ کے اس سلوک کا لحاظ کرنا پڑا خصوصاً اس مشہور مسئلہ میں جس کا ذکر منصور فقیہ کے سلسلہ میں گذر چکا یعنی تین طلاق والی عورت کو نان و نفقہ ملنا چاہیے۔ چونکہ یہ بڑا اہم تاریخی اختلافی مسئلہ تھا اور احناف اس کو قرآن و سنت و اجماع سب ہی کے مخالف خیال کرنے تھے اس لئے ابو الذکر باوجود مالکی ہونے کے اس مسئلہ میں حنفیوں کے مسلک کے مطابق فیصلہ کیا کرتے تھے۔

[۱] ص ۵۳۳

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

بہر حال اب واقعی ابو جعفر طحاوی مصر میں امام طحاوی کے منصب پر پہنچ گئے تھے۔ یا ایک دن مصر ہی میں ان کا حال یہ تھا کہ قاضیوں کی ماتحتی میں کتابت کا کام کرتے تھے۔ محمد بن عبدہ قاضی ان کو ایک خشک لکڑی اور بانس سے کم مرتبہ قرار دیتے ہوئے ڈانٹتا ہے اور بیچارے خاموش ہو جاتے ہیں اور اب اسی مصر میں ان کے سامنے حق تعالیٰ کی شان دیکھئے کہ وہ دن آیا کہ ابن مکرم کے بعد جب مصر کے قاضی عبدالرحمٰن بن اسحاق الجوہری بغداد سے مقرر ہو کر آئے تو اگرچہ یہ علاوہ فقیہ و محدث ہونے کے فنِ حساب میں بھی جس سے علما کو کم لگاؤ ہوتا ہے ماہرانہ واقفیت رکھتے تھے اور بڑی جلالتِ قدر و عظمت شان کے مالک تھے مگر اس کے باوجود امام طحاویؒ کا اتنا ادب کرتے تھے کہ وہ اس وقت تک سوار نہیں ہوتے تھے جب تک طحاوی سوار نہ ہو لیتے۔ اور اسی پر اکتفا نہیں بلکہ اپنے اجلاس میں جب وہ ہر طرح کے لوگوں سے بھرا ہوتا طحاوی کے متعلق یہ الفاظ کہتے ھو عالمنا ھو قدوتنا اور پھر فرماتے کہ قضا کوئی ایسا عہدہ نہیں ہے جس کی وجہ سے میں ابو جعفر طحاوی کے مقابلہ میں فخر کروں۔ (ملتقات ص ۵۳۶)

عبدالرحمٰن بن اسحاق تو مسلکاً حنفی بھی تھے اور امام طحاویؒ کی ساری عمر جو اب قریب اسی کے پہنچ چکی تھی حنفی مذہب کی تائید میں ہی گذری تھی، بیسیوں کتابیں جن کا ذکر آگے آتا ہے وہ اس وقت لکھ چکے تھے پھر عمر میں بھی امام طحاوی سے کم تھے۔

لیکن جب عبدالرحمٰن بن اسحاق کا دور ختم ہو گیا اور ایک مالکی قاضی احمد بن ابراہیم کا مصر کی قضارت پر تقرر ہوا تو خیال ہو سکتا تھا کہ اب شاید طحاوی کی اتنی عظمت وہ نہ کریں گے مگر مصر والوں کی حیرت کی انتہا نہ رہی جب انھوں نے دیکھا کہ احمد بن ابراہیم تو عبدالرحمٰن قاضی سے بھی دو قدم آگے بڑھ گئے یعنی علاوہ معمولی تعظیم و تکریم کے وہ امام طحاوی کے باضابطہ شاگرد بن گئے اور باوجود قضاء مصر کے جلیل عہدہ پر ہونے کے ان کے علم سے جس کی واقعی نظیر اس وقت اگر دنیا میں نہیں تو مصر میں یقیناً موجود نہ تھی۔ استفادہ کرنے سے نہیں شرماتے تھے حالانکہ وہ جس قسم کے شرمیلے آدمی تھے اس کا حال آگے آتا ہے اور صرف چند دنوں کے لئے شاگرد نہیں بلکہ جیسا کہ ابن زولاق کا بیان ہے جب تک احمد بن ابراہیم مصر کے قاضی رہے امام طحاویؒ سے پڑھتے رہے۔ ابنِ زولاق کے الفاظ یہ ہیں۔

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

وکان احمد بن ابراھیم فی طول ولایته	احمد بن ابراہیم جب تک قضا کے عہدہ پر رہے وہ ابو جعفر طحاوی
یتردد الی ابی جعفر الطحاوی یسمع علیه	کے پاس آتے جاتے رہتے تھے اور خود ان کی کتابیں ان ہی سے سنتے
تصانیفه بقراۃ الحسن بن عبد الرحمٰن	تھے، پڑھنے والے حسن بن عبد الرحمٰن ہوتے اور یہ اس زمانہ کا
وھو یومئذ قاضی مصر (ص ۵۳۸)	قصہ ہے جب احمد بن ابراہیم مصر کے قاضی تھے۔

اس سے یہ بھی معلوم ہوتا ہے کہ امام طحاوی اپنی کتابوں کا درس خود اپنے زمانہ میں دینے لگے تھے اور صرف حنفی مذہب کے علماء ہی نہیں بلکہ دوسرے مسالک کے اہلِ علم بھی ان کی کتابوں سے علماً استفادہ لپنے لئے ضروری سمجھتے تھے یہ نہ سمجھنا چاہیئے کہ قاضی احمد بن ابراہیم کوئی معمولی آدمی تھے۔ اپنے عہد کے جلیل القدر محدثین میں ان کا شمار ہے۔ ابراہیم الحربی جیسے محدثین سے روایت کرتے تھے۔

مگر با وجود اس عظمت و اقتدار کے امام طحاویؒ کے علمِ صادق نے نہ پہلے نہ درمیان میں نہ اس زمانہ میں ان کے اندر کسی علمی خودی یا کبر کو پیدا نہیں ہونے دیا دوسرے ان کی جتنی بھی عظمت و عزت کرتے ہوں، لیکن اپنے کو وہ ہمیشہ مصر کے دیہات کا ایک دیہاتی ہی سمجھتے رہے۔ یہی احمد بن ابراہیم جیسا کہ گذر چکا ان کے شاگرد تھے اور کیسے شاگرد کہ گھر پر بلا کر ان سے نہیں پڑھتے۔ بلکہ روزانہ خود طحاوی کے حلقہ میں عام لوگوں کے ساتھ بیٹھکر ان کے درس کو سنتے تھے۔ ایک دن حسب معمول حلقۂ درس میں بیٹھے تھے۔ احمد بن ابراہیم بھی شاگردوں کی صف میں آکر بیٹھ گئے۔ درس ہو رہا تھا کہ اتنے میں اسوان جو مصر کا مشہور مقام ہے وہاں کا کوئی آدمی آیا اور اس نے کوئی سوال کیا۔ ظاہر ہے کہ سوال امام طحاویؒ سے تھا لیکن امام طحاوی نے یہ دیکھکر کہ اس مجلس میں بہر حال مصر کا قاضی اعظم بیٹھا ہوا ہے مفتی الدیار المصریہ کا عہدہ اسی کا ہے۔ اس لئے سایل کا جواب تو دیا مگر الفاظ یہ تھے "قاضی صاحب خدا ان کی مدد کرے ان کا خیال یہ ہے"۔ مگر سائل بھی مفصلات کا ایک دہقانی آدمی تھا، بوڑھے عالم کی اس کسرِ نفس و تواضع کو دیکھکر صبر نہ کرسکا اور جھنجھلا کر بولا "میں قاضی کے پاس نہیں آیا ہوں تمہارے پاس آیا ہوں" اس پر قاضی احمد بن ابراہیم بھی امام کے اس حد گذشتہ تواضع کو دیکھکر اسوانی کو مخاطب کرکے بولے (یا ھذا ھو کما قلت) بات وہی ہے جو تم نے کہی۔

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

اور حکم دیا کہ پھر اپنے سوال کو دھراؤ، اس نے دہرایا تب امام کی طرف احمد بن ابراہیم مخاطب ہوئے اور ان کی ایدک الله کا جواب دیتے ہوئے انھوں نے کہا

افتہ ایدک اللہ برائک — خدا آپ کی مدد کرے فتوی اپنی رائے سے دیجئے۔

مگر اس پر بھی امام طحاوی کی فطری افتاد کا تقاضا نہ گیا اور پھر قاضی صاحب کی طرف متوجہ ہو کر بولے۔

اذا اذن القاضی ایدہ اللہ افتیتہ — اگر قاضی (خدا ان کی مدد کرے) اجازت دیں تو میں اس شخص کو فتوی دیکتا ہوں

اس تمہید اور اظہار ادب کے بعد انھوں نے اس بیچارے اسوانی سائل کا جواب دیا۔ ابن زولاق نے اس واقعہ کو درج کرنے کے بعد لکھا ہے اور صحیح لکھا ہے کہ

کان ذلک یعد من ادب الطحاوی فضلہ — اس طرز عمل کو طحاویؒ کے فضائل اور ادب میں شمار کیا جاتا تھا

امام طحاویؒ کے ادب شناس، قدر فرما شاگرد احمد بن ابراہیم مالکی مصر کے قاضی ۳۱۷ھ تک رہے کہ زمانہ نے پھر پلٹا کھایا اور اب جبکہ امام کی عمر اسی سے بھی متجاوز ہو چکی ہے مصر کی ولایت قضا پر پھر مصیبت آئی۔ ایک شخص عبد اللہ نامی جو ابن زبر کے نام سے مشہور تھا اپنی چالاکیوں اور خلیفہ وقت مقتدر باللہ کی سادگی سے نفع اٹھا کر مصر کا قاضی ہو گیا۔ داستان تو اس کی لمبی ہے مختصر یہ ہے کہ مقتدر باللہ کا وزیر علی بن عیسیٰ اس کی حالت سے واقف تھا اس کو خود جب دمشق کے دورہ پر گیا ہوا تھا اس شخص کا تجربہ ہو چکا تھا۔ دمشق کا اس زمانہ میں ابن زبر قاضی تھا پبلک اس سے تنگ تھی، لوگوں کا وفد وزیر کے پاس اس کی شکایت کرتا ہوا پہنچا علی بن عیسیٰ نے قاضی ابن زبر سے پوچھا لوگ کیا کہہ رہے ہیں بولا کہ گرانی کی شکایت کر رہے ہیں علی بن عیسیٰ کو اس کی کھلی شرارت پر سخت غصہ تھا اس وقت کچھ نہیں بولا اور بغداد پہنچکر اس کی موقوفی کا حکم بھیجدیا۔ ابن زبر آنے کو تو بغداد آ گیا مگر ایک ایسی چال کر گیا کہ علی بن عیسیٰ کی وزارت ہی ختم ہو گئی۔ ایک خاص ذریعہ سے مقتدر تک ایک تحریر ابن زبر نے پہنچائی جو ایک خراسانی مسافر کی طرف سے تھی جس میں اس خراسانی مسافر کی طرف سے ظاہر کیا گیا تھا کہ تین دن سے میں مسلسل خواب میں حضرت عباس رضی اللہ تعالیٰ کو دیکھ رہا ہوں وہ ایک عمارت بناتے ہیں لیکن ایک شخص اٹھکر اس کو ڈھا دیتا ہے۔ میں نے حضرت عباسؓ سے

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

عرض کیا کہ یا عم رسول اللہ یہ آپ کو کون ستا رہا ہے فرمایا کہ علی بن عیسیٰ وزیر۔ میں اپنے لڑکے کے لئے عمارت بناتا ہوں اور وہ گرا دیتا ہے۔ ایسی بے لاگ ترکیب سے یہ تحریر سادہ لوح مقتدر تک پہنچی کہ مقتدر چیخ اٹھا اور اس نے علی بن عیسیٰ کو وزارت سے الگ کر دیا۔ وزیر علی بن عیسیٰ حیران تھا مگر کیا کرتا اور خواب کا جواب کیا دیتا۔ علی بن عیسیٰ ہی ابن زبر کی راہ کا کانٹا تھا۔ اس کا ہٹنا تھا کہ وہ مصر اور دمشق دونوں کا قاضی ہو گیا۔ (طبقات ص ۱۵۴)

امام طحاویؒ کی بد قسمتی تھی کہ زندگی کی آخری گھڑیوں میں مصر کا قاضی ابن زبر جیسا چالباز مکار آدمی مقرر ہو کر آیا۔ آنے کے ساتھ ملک میں رشوتوں اور مظالم کا بازار گرم ہو گیا۔ ایسا معلوم ہوتا ہے کہ اس نجس سیاہ سینہ قاضی کے عہد میں امام طحاویؒ گوشہ گیر ہو گئے اور حکومت سے اتنے کنارہ کنارہ رہنے لگے کہ پہلے قضاۃ سے کچھ مراسم سوال و جواب اور علمی مذاکرات کے جو رہتے تھے اس سے بھی دست بردار ہو گئے۔ غالباً یہی وجہ ہے کہ ایک دفعہ ابن زبر نے شہر کے سب سے بڑے عالم خیال کر کے کوئی استفتا امام کے پاس بھیجا لیکن امام نے اس کا تسلی بخش جواب نہیں دیا۔

اسی ابن زبر کے زمانہ میں ایک اور واقعہ بھی پیش آیا یعنی قاضی محمد بن عبدہ جن کے امام طحاوی سکرٹیری تھے ان کے زمانہ کا کوئی طے شدہ مقدمہ تھا اسی کے متعلق ابن زبر کے زمانہ میں بھی کوئی معاملہ چھڑا۔ ضرورت اس کی ہوئی کہ امام طحاویؒ اس مقدمہ میں خود محکمۂ قضا میں حاضر ہو کر اپنا بیان دیں۔ ابن زبر نے ان کو بلا بھیجا۔ امام طحاویؒ سوار ہو کر اس کے اجلاس میں گئے اور گواہی دی۔

آگے جس واقعہ کا ذکر کیا جاتا ہے اس سے معلوم ہوتا ہے کہ ابن زبر کی امام طحاوی سے یہ پہلی ملاقات تھی اور فتوی جو اس نے دریافت کرایا تھا وہ محض ان کی علمی شہرت و جلالت کی بنیاد پر تھا، خود براہِ راست نہ قاضی ان سے ملا، اور امام تو اس سے خود کیا ملتے۔ بہرحال جب اظہار ہوا تو قاضی ابن زبر امام کی طرف متوجہ ہوا اور جیسا کہ چاہیے۔ ان کے ساتھ اس نے ملاطفت اور تکریمی برتاؤ کیا۔ اسی سلسلہ میں امام کو خوش کرنے کے لئے اور کچھ اپنی حدیث دانی کا اثر قائم کرنے کے لئے بولا کہ تیس سال ہوئے آپ کے واسطہ سے ایک حدیث ایک شخص کے ذریعہ سے مجھے پہنچی ہے۔

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

خدا جانے ابن زبر کا یہ دعویٰ صحیح بھی تھا یا صرف امام کو مسرور اور کچھ اپنے علمی و دینی شوق کے ثبوت میں یہ لطیفہ اس نے گھڑ لیا تھا کیونکہ محدثین ابن زبر کے متعلق لکھتے ہیں کہ اس کی یہ عام عادت تھی کہ کسی ایک حدیث کے متن کا ٹکڑا اس میں دوسری سند لگا دیا کرتا تھا اور یوں حدیثوں میں جعل بنایا کرتا تھا۔ امام الدارقطنی نے اپنا چشم دید واقعہ اس شخص کے متعلق یہ درج کیا ہے کہ میں ابن زبر کے پاس حاضر ہوا مگر اس وقت میری عمر کم تھی۔ میں نے دیکھا کہ اس کے سامنے ایک کاتب بیٹھا ہوا ہے اور ابن زبر اس کو حدیث املا کرا رہا ہے مگر طریقہ لکھانے کا عجب تھا یعنی حدیث ایک جزء سے لکھاتا اور سند دوسرے جزء سے۔

ایسی صورت میں کیا عجب ہے کہ امام طحاوی کو دیکھ کر اس نے ان کے کسی شاگرد کی طرف اس حدیث کو منسوب کر کے روایت کر دیا ہو۔ ایسا معلوم ہوتا ہے کہ امام سے ابن زبر نے پھر اس کی بھی درخواست کی کہ یوں تو حضور کا میں بالواسطہ شاگرد ہی ہوں لیکن اگر جنابِ والا براہ راست تلمذ کے شرف سے سرفراز فرمائیں تو بندہ نوازی ہوگی۔ بوڑھے امام کا دل حالانکہ اس کمینہ فطرت بدنام کنندۂ اسلام و امتِ اسلامیہ سے چڑا ہوا تھا، حالات سب معلوم تھے مگر مروتاً کہا جاتا ہے کہ امام نے اس سے بھی چند حدیثیں روایت کیں۔

اور یہ تو اس وقت ہے جب ابن زولاق کے الفاظ فحدث بہ میں حدث کا فاعل امام طحاوی کو قرار دیا جائے جو متبادر ہے لیکن اگر اس کا فاعل ابن زبر ہی ہو اور مطلب یہ لیا جائے کہ جس حدیث کے متعلق اس نے یاد کرایا تھا کہ بالواسطہ آج سے تیس سال پہلے میں نے اس کو لکھا ہے، یہ بتانے کے لئے میں اس کو بھولا نہیں ہوں یعنی آپ کا بڑا قدرداں ہوں، اس کے ثبوت میں اس حدیث کو زبانی امام کے سامنے اس نے پڑھ دیا ہو تو اس مطلب کی بھی گنجائش ہے، بلکہ اگر بلاواسطہ شاگرد بننے کی بھی خواہش ہو تو عرض علی الشیخ کے طور پر اس کی سند بجائے باواسطہ کے امام طحاوی کے ساتھ بلاواسطہ متصل ہو جاتی ہے

قاضی ابن زبر کے متعلق ایک بات یاد رکھنے کی ہے کہ جناب کی تصنیفات عالیہ میں ایک کتاب تشریف[1] الفقر

۱؎ یعنی فقیری کو امیری پر ترجیح حاصل ہے۔

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

علی الغناء" بھی ہے، الذہبی نے جہاں ان کی کتابوں کی فہرست دی ہے اس کتاب کا خاص طور سے ذکر کیا ہے۔

عجیب بات ہے کہ ٹھیک جس سال امیر تکین جو ابن زبر کے پشت پناہوں میں اور مصر کا اس زمانہ میں والی (گورنر) تھا، اتفاق سے مسلول ہوگیا، حالت روز بروز بد سے بدتر ہونے لگی۔ ابن زبر کو اندیشہ ہوا کہ امیر اگر کہیں لڑھک گیا۔ تو مصر کی عام پبلک میری تکا بوٹی کرکے رکھ دیگی، بڑا پریشان ہوا۔ اس زمانہ میں ایک شافعی عالم اسمٰعیل بن عبدالواحد پر امیر تکین بہت اعتماد کرتا تھا مصر میں موجود تھے۔ ان کی خوشامد درآمد کرکے اس نے راضی کیا کہ امیر سے میری رخصت منظور کرالو، میں گھر دمشق جانا چاہتا ہوں، وہاں سخت ضرورت ہے اور یہ بھی کہا کہ میری جگہ منصرمانہ طور پر آپ ہی کام بھی کیجئے، اسمٰعیل راضی ہوئے لیکن امیر تکین راضی نہیں ہوتا تھا۔

فلم یزل ابوھاشم یکلم الامیر — ابوہاشم (اسمٰعیل بن عبدالواحد) بار بار امیر تکین سے ابن زبر کی چھٹی کے
حتی اذن لہ فی ذلک — متعلق اصرار کرتے رہے تا اینکہ اس کو رخصت مل گئی۔

رخصت کی منظوری جونہی ملی، ابوہاشم اسمٰعیل کو اپنا قائم مقام بنا کر سیدھا دمشق بھاگا یہ ۳۲۱ھ کا واقعہ ہے اور خدا کی شان دیکھئے کہ اسی سال حضرت امام ابوجعفر الطحاوی کی وفات ہوتی ہے۔ ابن خلکان اور دوسرے مورخوں کا اتفاق ہے کہ

وتوفی سنۃ احدی وعشرین وثلثمائۃ — ۳۲۱ھ ہجری میں ان کی وفات ہوئی

البتہ ابن زبر مصر سے جان بچا کر اسی سال کے جمادی الاول میں بھاگا ہے اور ہمارے امام کی وفات چونکہ ذیقعدہ کی پہلی تاریخ کو ہوئی جیسا کہ ابن خلکان نے تصریح کی ہے گویا اس کے معنی یہ ہوئے کہ ابن زبر کی روانگی کے سات مہینہ بعد امام طحاوی نے رحلت فرمائی۔

ایسا معلوم ہوتا ہے کہ یہ چند مہینے امام پر مرض الموت کے گذرے کیونکہ ابن زبر کے بعد جمادی الثانی ۳۲۱ھ میں مشہور اسلامی مصنف عبداللہ بن مسلم بن قتیبۃ الدینوری المعروف بابن قتیبۃ کے صاحبزادے احمد بن عبداللہ بن مسلم بن قتیبۃ کو ہم مصر کا قاضی پاتے ہیں۔ ابن خلکان نے ان ہی ابن قتیبۃ قاضی کے متعلق لکھا ہے کہ

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

تولی القضاء بمصر وقدمہا فی ثامن عشر من جمادی الاخرۃ سنۃ احدی وعشرین وثلثمائۃ[1] مصر کے قاضی مقرر ہوئے اور ۱۸ر جمادی الاخرہ ۳۲۱ھ کو وہ مصر پہنچے۔

قاضی ابن قتیبہ قطع نظر اس کے کہ بڑے باپ کے بیٹے تھے خود بھی اپنے وقت کے مسلم الثبوت علماء اور مصنفین میں شمار ہوتے ہیں، ان کی کتابیں "ادب الکاتب" اور "اصلاح المنطق" اب بھی عزت کی نگاہ سے دیکھی جاتی ہیں ایسے علم دوست اور علمی گھرانے کے قاضی سے یہ بعید معلوم ہوتا ہے کہ امام طحاوی کا جو مقام اس وقت مصر میں قائم ہو چکا تھا ان سے وہ باوجود موانع نہ ہونے کے ملاقات نہ کرتے غالب قرینہ ہے کہ امام کی حالت سقیم ہو چکی ہوگی اور خود بیچارے قاضی ابن قتیبہ کچھ مطمئن بھی نہ تھے۔ رفع الاصر کے حوالہ سے تو یہ نقل کیا گیا ہے کہ مصری جن پر مردانیت کہئے یا جیسا وہ کہتے تھے عثمانیت کا زیادہ غلبہ تھا، قاضی ابن قتیبہ جب قضا کا چارج لینے کے لئے جامع مسجد کی طرف عباسیوں کے مشہور سیاہ رنگ کے لباس میں روانہ ہوئے تو

فثار علیہ العامۃ فرجموہ ومزقوا سوادہ[2] لوگ ان پر ٹوٹ پڑے اور پتھراؤ شروع کر دیا ان کے سیاہ لباس کو پھاڑ دیا

اور اس فرعونی سلوک کے ساتھ یہ بھی ہوا کہ پانچ مہینہ سے زیادہ قاضی نہ رہ سکے۔ غالباً ان ہی پریشانیوں میں وہ الطحاوی کی عیادت کو بھی نہ گئے یا شاید اہل تاریخ نے اس کا تذکرہ نہیں کیا۔ خیر کچھ بھی ہو عجیب اتفاق ہے کہ ٹھیک ذیقعدہ ۳۲۱ھ کی پہلی تاریخ کو امام کا انتقال ہوتا ہے اور الکندی کے طبقات میں غالباً معجم الادباء کے حوالہ سے یہ فقرہ منقول ہے کہ قاضی ابن قتیبہ

صرف عن القضاء فی اخری ذی القعدۃ سنۃ ۳۲۱م مصر کی قضاوت سے آخری ذی قعدہ ۳۲۱ھ میں اٹھا دیئے گئے

گویا امام طحاوی کی وفات کے پندرہ بیس دن بعد ابن قتیبہ کا بھی عہدۂ قضا سے انتقال ہو گیا اور چند ہی دن بعد یعنی ۳۲۱ھ کی ربیع الاول میں دنیا سے بھی چل بسے۔

امام طحاوی کا نسب اور ولادت و وفات | خلاصہ یہ ہے کہ عرب کے چند قبائل جن کی طرف الازدی کی نسبت کی جاتی ہے۔

---

[1] ج ۱ ص ۲۵۱ [2] ص ۶۴۹

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

ان میں سے ازدجر کا ایک خاندان مصر کے طحا یا طحیتہ یا جیسا کہ جلال الدین سیوطی نے اپنی کتاب لباب فی تصحیح الانساب میں لکھا ہے کہ طحا نہیں بلکہ طحا کے قریب ایک اور گاؤں طحطوط ہے[1]، وہاں یہ خاندان آکر آباد ہو گیا تھا۔ مجھے اس کا پتہ نہ چل سکا کہ عرب سے منتقل ہو کر شروع شروع میں اس خاندان کے کون آدمی طحا میں آکر سکونت پذیر ہوئے۔ سلمۃ بن القاسم الاندلسی نے اپنی تاریخ میں جو نسب نامہ امام طحاوی کا دیا ہے وہ یہ ہے احمد بن محمد بن سلمہ بن عبدالملک بن سلیم بن سلیمان بن جناب۔

اس سے غالب قرینہ یہ ہے کہ ان میں ساتویں آدمی جناب البدو سے نکلکر مصر پہنچے، سوا دو صدیوں میں سات پشتوں کا گذر جانا محل تعجب نہیں ہے بلکہ زیادہ تر یہی ہوتا ہے کہ ایک ایک صدی میں تین پشتیں گذرتی ہیں بہرحال اسی خاندان میں ہمارے امام ابوجعفر طحاوی ۲۳۸ھ یا جیسا کہ السمعانی نے ھوالصحیح کہتے ہوئے ۲۳۹ھ کو ترجیح دی ہے، ۱۱ ربیع الاول کو پیدا ہوئے اور تقریباً ۸۲ سال تک اس دنیا کے مختلف نشیب و فراز سے گذرتے ہوئے ۳۲۱ھ یکم ذیقعدہ کو جان جہاں آفریں کے سپرد کی۔ ابن خلکان نے لکھا ہے

دفن بالقرافۃ وقبرہ مشہور بھا[2] قرافہ میں دفن ہوئے ان کی قبر اس خطہ میں مشہور ہے۔

اولاد کی پوری تفصیل اب تک مجھے نہیں مل سکی صرف ان کے ایک صاحبزادے ابوالحسن علی بن احمد اور علی بن احمد کے صاحبزادے یعنی امام طحاوی کے پوتے ابوعلی الحسن بن علی کا کتابوں میں لوگ تذکرہ کرتے ہیں۔

---

[1] السیوطی کی اصل عبارت یہ ہے انہ (ای) ابوجعفر الطحاوی لیس من طحا بل من طحطوطہ قریب من قریتہ طحا۔ فکرہ ان یقال لہ طحطوطی"۔
واللہ اعلم بالصواب سیوطی نے یہ دعوٰی کس بنیاد پر کیا ہے۔ لیکن خود مصر کے رہنے والے ہیں اس لئے۔ بہرحال ان کے قول میں ایک غیر مصری کو شک کی کیا گنجائش ہو سکتی ہے۔ مگر سمجھ میں نہیں آتا ہے کہ بعد کو ایک حنفی عالم جنہوں نے شامی پر حاشیہ لکھا ہے اور طحطاوی کے نام سے ان کا حاشیہ مشہور ہے، اگر امام طحاوی طحطوطی کہلاتے تو اس میں حرج کیا تھا آج کل کے جدید جغرافیہ مصر میں طحطا، نامی مقام دریائے نیل کے کنارے پایا جاتا ہے، خیال گذرتا ہے کہ طحا اور طحطوطہ بھی اسی کے آس پاس ہی ہوں گے۔ یا ان قدیم مقامات میں سے کسی ایک کا نام طحطا باقی رہ گیا۔

[2] ابن خلکان ج ۱ ص ۱۹۔

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

سمعانی نے لکھا ہے:" ابوجعفر طحاوی کے بیٹے ابوالحسن علی بن احمد طحاوی وہ ابوعبدالرحمن احمد بن شعیب النسائی وغیرہ سے حدیث روایت کرتے تھے ۳۵۱ھ میں ان کی وفات ہوئی، ابوجعفر کے پوتے ابوعلی الحسن بن علی بن احمد الطحاوی کا ۳۶۰ھ کے ماہ ربیع الاخر میں انتقال ہوا۔

خیر یہ تو رسمی حالات ہیں، ہر شخص جو پیدا ہوتا ہے وہ کہیں پیدا ہوتا ہے، کسی سنہ میں مرتا ہے اور کسی مقام ہی میں دفن ہوتا ہے۔ کچھ لوگ اولاد بھی چھوڑتے ہیں، اسی طرح غربت سے امارت جہل کے بعد علم یہ بھی چنداں خصوصیت کی بات نہیں اور گو عام کتابوں میں امام کے حالات ایک صفحہ دو صفحہ سے زاید نہیں ہیں لیکن خدا کا شکر ہے کہ اس سلسلہ میں ہزارہا صفحات کے پڑھنے سے جو متفرق اجزا مجھے ملتے چلے گئے ان کو ایک خاص ترکیب سے جمع کرنے کی غالباً مجھے پہلی دفعہ سعادت نصیب ہوئی، ورنہ جہاں تک میرا مطالعہ ہے۔ اس وقت تک امام کے حالات پر مستقلاً کوئی کتاب نہیں پائی جاتی۔ عامہ اہلِ تراجم و تذکرات ان کے ترجمہ کو صفحہ دو صفحہ پر ختم کردیتے ہیں اور یہ پہلی دفعہ امام کے حالات کا اتنا زیادہ ذخیرہ ایک جگہ بحمداللہ جمع ہوگیا۔

لیکن اب وقت آگیا ہے کہ پھر اس مسئلہ کی طرف رجوع کروں جس کی طرف شروع سے میں اشارہ کرتا چلا آیا ہوں، مصر کا ائمہ ثلاثہ امام مالکؒ و شافعیؒ و ابوحنیفہؒ کے فقہ سے ابتدائی صدیوں میں جو تعلق رہا ہے اسے تفصیلاً بتا چکا ہوں۔ پھر امام طحاویؒ کے ماموں اور امام شافعیؒ کے شاگرد ابوابراہیم اسمٰعیل المزنی الامام اور قاضی بکار کے تعلقات پر میں نے روشنی ڈالی تھی۔ بتایا تھا کہ امام مزنی سے جدا ہوکر امام طحاوی قاضی بکار کے سکرٹری بھی رہے اور ان سے پڑھتے بھی رہے۔ اسی زمانہ میں قاضی بکار کا مزنی کی کتاب مختصر کو دیکھکر حنفی مذہب کی تائید اور امام شافعیؒ کی تردید میں ایک "کتاب جلیل" کی تصنیف میں مشغول ہونا اور اسی کو میں نے امام طحاوی اور امام مزنی کے تعلقات کے خراب ہونے کا سبب قرار دیا تھا۔ عجب بات ہے کہ سلف کی جتنی کتابیں اس باب میں اب تک میری نظر سے گذری ہیں، ان میں مزنی اور طحاوی کے درمیان کس مسئلہ پر اختلاف ہوا اس کی تصریح نہیں ملی، صرف بعد کو ابن عساکر ابوسلیمان بن زبر کے حوالہ سے تاریخ دمشق میں اتنا اضافہ ملا کہ جھگڑے کا سبب یہ ہوا کہ

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

تکلم الطحاوی یوماً بحضرۃ المزنی فی مسئلۃ فقال لہ المزنی الخ۔[1]

طحاوی نے ایک دن مزنی کے سامنے ایک مسئلہ پر گفتگو کی تو اس کے بعد مزنی نے ان کو وہ بات کہی (یعنی جس کا ذکر دوسری کتابوں کے گذر چکا)

چونکہ مسئلہ کا لفظ عموماً جب بولا جاتا ہے تو اس سے علمی مسئلہ ہی مراد لیا جاتا ہے اس لئے اس سے اتنا تو معلوم ہوا کہ گفتگو علمی مسئلہ میں ہو رہی تھی لیکن حیرت ہے کہ مولانا عبدالحی فرنگی محلی نے جن کے ماخذ تقریباً وہی کتابیں ہیں۔ جن سے میں نے مواد فراہم کیا ہے خدا جانے کس سند کی بنیاد پر اپنی کتاب "الفوائد البہیہ" میں اس جھگڑے کا ذکر کرتے ہوئے ارقام فرمایا ہے کہ

کان الطحاوی یکثر النظر فی کتب ابی حنیفہ فقال لہ المزنی لا یجیٔ منک شیٔ۔[2]

طحاوی ابو حنیفہؒ کی کتابیں بکثرت دیکھا کرتے تھے مزنی نے ان کے اس حال کو دیکھکر کہا "تجھ سے کچھ نہ بن آئے گا۔"

اگر مولانا مرحوم کا یہ بیان قیاسی نہیں ہے۔ بلکہ کسی تاریخی حوالہ پر مبنی ہے۔ تو پھر جس نتیجہ تک میں عقلی اور قیاسی قرائن کی روشنی میں پہنچا ہوں اس کی گونہ تاریخی تائید بھی مہیا ہو جاتی ہے لیکن جہاں تک میرا خیال ہے کچھ اس میں زلت قلم ہوئی ہے۔ کیونکہ اب تک کسی کتاب میں اتنی صاف صراحت اس مسئلہ کی مجھے نہیں ملی میرا گمان ہے خدا کرے غلط ہو کہ ابنِ خلکان نے المزنی کے متعلق امام طحاویؒ کے واسطے سے یہ جو نقل کیا ہے کہ جب مذہب بدلنے کے متعلق ان سے سوال کیا گیا تو انھوں نے فرمایا کہ میں اپنے ماموں مزنی کو دیکھتا تھا کہ (کان یُدیمُ النظر الی کتب ابی حنیفہ ص ۱۹) شاید کچھ اسی سے خلط مبحث ہوا ہے اور اسی وجہ سے شروع میں مولانا کے اس قول کو میں نے پیش نہیں کیا۔ قریب قریب شاہ عبدالعزیز صاحب نے بھی یہی کیا ہے (کہ المزنی طحاوی را تعبیر بہ بلادت کرد ص ۸۰) حالانکہ یہ قیاساً تو کہا جا سکتا ہے لیکن مورخین نے اس کی تصریح نہیں کی ہے۔[3] بہر حال اگر ان حضرات نے

---

[1] تلخیص ابن عساکر ص [2] مطبوعہ ہند ص ۱۸۔ [3] بعد میں لسان المیزان میں ابن حجر کی یہ عبارت بغیر کسی حوالہ کے ملی۔ مزنی و طحاوی کے بگاڑ کی وجہ درج کرتے ہوئے لکھتے ہیں۔ وذلک انہ کان یقرء علیہ فمرت مسئلۃ دقیقۃ فلم یفھمہا ابو جعفر فبالغ المزنی فی تقریبہا فلم یتفق ذلک فغضب المزنی منفجر الاسکان ص ۲۷۵) قیاسی طور پر ابتداءً میں جس نتیجہ تک پہنچا اتنی خوشی ہوئی کہ بجنسہ انہی الفاظ میں حافظ ابن حجرؒ نے واقعہ کی تفصیل بیان کی ہے۔

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

ان فقروں کو کسی معتبر مورخ کی کتاب سے نقل فرمایا ہے تو مسئلہ اور زیادہ صاف ہو جاتا ہے۔

اب میں پھر اس سلسلہ کے آئندہ واقعات پر بحث کرنا چاہتا ہوں، میرا خیال ہے کہ قاضی بکار نے اس وقت جب طحاوی ان کے ساتھ تھے المزنی کی مختصر کے مقابلہ میں اپنی "کتاب جلیل" تصنیف کی، چونکہ اس کتاب کی تصنیف میں بطور مددگار کے امام طحاوی کی شرکت یقینی ہے۔ آخر وہ اسی شافعیت اور حنفیت ہی کے قصہ میں تو اپنے ماموں کے یہاں سے الگ ہوئے تھے اور جیسا کہ میرا خیال ہے جھگڑے میں شدت قاضی بکار کی اسی تصنیف جلیل کی بدولت پیدا ہوئی، ایسی صورت میں ظاہر ہے کہ طحاوی سے زیادہ اس کتاب سے اور کس کو دلچسپی ہو سکتی تھی، اگر جب قاضی بکار عہدہ قضا سے الگ ہو گئے اور ان کی وجہ سے طحاوی بھی مالی مشکلات میں مبتلا ہوئے۔ میں نے بتایا تھا امام پر جس وقت یہ افتاد پڑی اس وقت تک مزنی زندہ تھے اس مصیبت میں ہو سکتا تھا کہ اپنے سرپرست قاضی بکار کو حکومت کے عتاب اور ایسے سخت عتاب میں پاکر وہ اپنے ماموں کی پناہ ڈھونڈتے لیکن جہاں تک واقعات سے معلوم ہوتا ہے غیرت مند بھانجے کو ماموں کے الفاظ سے اتنا صدمہ پہنچا تھا کہ اس حال میں بھی وہ ان کی طرف رجوع نہ ہوئے حالانکہ اس حال میں وہ برسوں مبتلا رہے خدا ہی جانتا ہے کہ اس زمانہ میں ان کے بسر اوقات کی کیا صورت تھی۔ حکومت بگڑی ہوئی، موروثی جائداد پر چچا کا قبضہ۔ اس لئے جہاں تک میرا قیاس ہے مزنی کی زندگی میں براہ راست تصنیف و تالیف میں مشغول ہونے کا طحاوی کو موقعہ نہ ملا۔ ماموں نے ان کے متعلق جو پیش گوئی ناکامی نامرادی کی کی تھی، ایک طرح سے ان کی زندگی تک گویا پوری ہی ہو رہی تھی۔ طحاوی چاہتے ہوں گے کہ کاش! کچھ بھی فرصت میسر ہو تو میں ان کو اپنا جوہر دکھاؤں۔ لیکن بیچارے کو زمانہ کے سخت ہاتھوں نے اس کا موقعہ نہ دیا۔ تا اینکہ طحاوی کو اسی حال میں چھوڑ کر ۲۶۴ھ میں امام مزنی کا انتقال ہو گیا مگر طحاوی کی مصیبت پھر بھی ختم نہ ہوئی۔ بالآخر خدا خدا کر کے المزنی کی وفات کے بارہ تیرہ برس بعد قاضی محمد بن عبدہ کے زمانہ میں ان کا عسر یسر سے بدلا۔ بجز چند دنوں کے جب خلیفہ ابن ابا نے آپ کو جیل بھیجدیا تھا لیکن یہ ایک فوری مصیبت تھی جو ٹل گئی پھر ان کو اس قسم کی پریشانیوں سے سابقہ نہ پڑا جس سے معلوم ہوتا ہے کہ امام طحاوی کو قاضی محمد بن عبدہ کے سکریٹری ہونے کے بعد چالیس سال کی طویل مدت ایسی

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

ملی جس میں وہ اطمینان سے کام کر سکتے اور اپنی زندگی کے نصب العینوں کی تکمیل کر سکتے تھے۔

امام کی پہلی تصنیف یوں تو عام طور پر لوگ ملا علی قاری کے طبقات کے حوالہ سے طحاوی کی تالیفات کے متعلق یہ فقرہ نقل کرتے ہیں کہ

ان معانی الآثار اول تصانیفہ ومشکل الآثار آخر تصانیفہ[51] معانی الآثار ان کی پہلی کتاب ہے اور مشکل الآثار آخری

ممکن ہے ملا علی قاری نے یہ حوالہ کسی معتبر کتاب سے اخذ کیا ہو لیکن باوجود تلاش کے متقدمین کی کتابوں میں اب تک مجھے یہ چیز نہیں ملی جیسا کہ امام نے اس کتاب کے دیباچہ میں صاف لکھا ہے۔ یہ بات واضح طور پر معلوم ہوتی ہے کہ امام طحاوی نے معانی الآثار ان لوگوں کو پیش نظر رکھکر لکھی ہے جو ایمانی کمزوری اور جہالت کی وجہ سے حدیثوں کی صحت کے سرے سے منکر تھے۔ گویا اس کتاب کا براہ راست تعلق حنفی اور شافعی اختلاف سے نہیں ہے۔ کیونکہ خدانخواستہ وہ شوافع کو اہل الالحاد اور ضعفۃ اہل الاسلام کیسے کہہ سکتے ہیں جو حدیثوں کے علمبردار ہیں بلکہ یہ نسبت اور ائمہ کے حدیثوں کے مسئلہ میں گویا زیادہ بدنام وہی ہیں جس کی طرف میں نے تمہید میں کچھ اشارہ بھی کیا ہے۔

جہاں تک میں سمجھتا ہوں اس نقطۂ نظر سے امام طحاوی کو سب سے پہلے کتاب لکھنے کی کوئی وجہ نہیں معلوم ہوتی بلکہ جن واقعات وحالات کا ذکر میں کر چکا ہوں اگر ان کو سامنے رکھا جائے تو یہی سمجھ میں آتا ہے کہ سب سے پہلے جس تصنیفی کام کی ان میں صلاحیت اور جس کا سلیقہ پیدا ہو سکتا تھا وہ وہی چیز ہو سکتی ہے جس کی مشق انھوں نے قاضی بکار کی صحبت میں بہم پہنچائی تھی اور جس کی لو ان کو شروع سے لگی ہوئی تھی۔ اس لحاظ سے یہ دعویٰ بیجا نہیں کہ امام نے سب سے پہلے جو کتاب لکھی ہے وہ ان کی وہی کتاب ہو سکتی ہے جس کا نام مختصر الطحاوی ہے اور جو آپ کے ماموں المزنی کی کتاب مختصر المزنی کی ٹکر پر لکھی گئی ہے کیونکہ اس کتاب میں تقریباً وہی مضامین بیان کئے گئے ہیں جن پر قاضی بکار کی کتاب مشتمل تھی۔ اپنی مختصر کے دیباچہ میں طحاوی خود ہی ارقام فرماتے ہیں۔

جمعت فی کتابی ھذا اصناف الفقہ اللتی — اس کتاب میں فقہ کے ان مسائل کو میں نے جمع کیا ہے

لا یسع الانسان جھلھا وبینت الجوابات — جن سے جاہل رہنے کی اجازت کسی آدمی کو نہیں مل سکتی

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

عنهما من قول ابی حنیفة و ابی یوسف و محمد۔ — اور میں نے اس سلسلہ میں جواب دیتے ہوئے ابوحنیفہ ابی یوسف و محمد کے اقوال درج کئے ہیں۔

یہ دیباچہ حاجی خلیفہ نے کشف الظنون میں نقل کیا ہے پھر اس کے شارح احمد بن علی الوراق کے حوالہ سے اس کتاب کے متعلق اتنا اور اضافہ کیا ہے۔

اذ کان ھذا الکتاب یشتمل علی عامة مسائل الخلاف وکثیرة من الفروع۔ ؎ — چونکہ یہ کتاب (مختصر الطحاوی) زیادہ تر خلافی مسائل اور فروع پر مشتمل ہے۔

جس سے معلوم ہوتا ہے کہ اس میں قاضی بکار کی طرح زیادہ تر خلافیاتی فروع پر امام ابی حنیفہؒ اور قاضی ابو یوسفؒ اور امام محمدؒ کے نقاطِ نظر سے بحث کی گئی ہے اور سچ پوچھئے تو یہ دراصل المزنی کی مختصر کا قاضی بکار کی کتاب کے بعد دوسرا جواب ہے۔ صرف اس لئے نہیں کہ اس کا بھی نام مختصر ہے بلکہ حاجی خلیفہ نے لکھا ہے، کہ امام طحاویؒ نے اپنی اس مختصر کو

الفه صغیرا وکبیرا و رتبه کترتیب المزنی۔ ؎ — مختصر کو دو شکلوں میں لکھا ہے ایک بڑے پیمانہ پر اور ایک چھوٹے پر اور ترتیب اس کی وہی مزنی کی مختصر کی ترتیب ہے۔

گویا یوں سمجھنا چاہئے کہ قاضی بکار کی کتاب کا مختصر الطحاوی نقشِ ثانی ہے اس کی مشق اپنے استاد اور قاضی سے کی تھی اسی لئے سب سے پہلے قلم اس پر اٹھانا زیادہ قرین قیاس ہے بلکہ اس کتاب کا لکھنا تو ان کی زندگی کا ایک بڑا نصب العین تھا۔ ماموں کو چھوڑ کر بھاگے تھے انھوں نے نامرادی کی بددعا دی تھی، وہ دکھانا چاہتے تھے کہ جو کمال آپ نے شافعی مذہب میں حاصل کیا ہے اگر میں نے حنفی مذہب میں وہی کمال حاصل کر کے نہ دکھایا تو بات ہی کیا ہوئی۔ مورخین باتفاق لکھتے ہیں کہ

لما صنف مختصرہ قال رحم اللہ ابا ابراھیم — جب طحاوی نے اپنی مختصر تصنیف کی تب کہا کہ ابو ابراہیم (یعنی مزنی) پر

؎ ج ۱ ص ۲۴۔ ؎ ص ۲۴

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

لوکان حیاً لکفر عن یمینہ (ص ۱۸) خدا رحم کرے آج زندہ رہتے تو اپنی قسم کا کفارہ دیتے۔

اس سے صاف معلوم ہوتا ہے کہ اپنے ماموں کے دعوی اور پیش گوئی کے مقابلہ میں انھوں نے بھی کتاب لکھکر پیش کی تھی۔ ایسی صورت میں غور کیا جاسکتا ہے کہ موقعہ ملنے کے باوجود وہ بجائے مختصر کے جس سے ان کے ماموں صاحب کی پیش گوئی غلط ہوسکتی تھی وہ کوئی دوسری کتاب کیوں لکھتے۔ ان کا شروع سے نشانہ مزنی اور مزنی کی پیش گوئی ہی تھی۔ بیچارے کو جب تک زمانہ نے موقع نہ دیا اور یہ اتفاق تھا کہ جب تک امام مزنی زندہ رہے طحاوی ان کی قسم توڑنے کا سامان فراہم نہ کرسکے۔ لیکن جوں ہی ان کو پہلا موقعہ ملا انھوں نے سب سے پہلے شافعی مذہب کے مختصر کے مقابلہ میں ٹھیک انہی ابواب و فصول کے ساتھ جو مزنی نے اختیار کی تھی اپنی مختصر مرتب کی۔ یہ ہوسکتا ہے کہ پھر عمر بھر اس میں ردوبدل کاٹ پیٹ کا سلسلہ انھوں نے جاری رکھا ہو۔ بلکہ یہ بات کہ طحاوی نے دو مختصر ایک کبیر اور ایک صغیر لکھا ہے، میرا خیال ہے کہ کبیر تو ان کی اصلی کتاب ہے جو اغلب قرینہ ہے کہ قاضی بکار کے قدم بقدم ہوگی پھر بعد کو انھوں نے اسی کو جب سمیٹا ہوگا اسی کا نام "مختصر صغیر" رکھدیا ہوگا۔

حضرت مولانا شاہ عبدالعزیز دہلوی نے اپنی کتاب بستان المحدثین میں امام طحاوی کے انتقال مذہب کے قصہ کو بیان فرمانے کے بعد یہ جو لکھا ہے کہ مزنی کے حلقہ کو چھوڑنے کے بعد ابوجعفر طحاوی نے

سعی بسیار کرد تا آنکہ در فقہ مہارت پیدا کرد مختصر تصنیف نمود کہ اورا مختصر طحاوی گویند (ص ۸۷) بڑی کوشش کی تا اینکہ فقہ میں بڑی مہارت پیدا کی اور مختصر تصنیف کی جسے لوگ مختصر طحاوی کہتے ہیں۔

اس سے بھی یہی معلوم ہوتا ہے کہ شاہ صاحب بھی مختصر ہی کو امام طحاوی کی اس تعلیمی جدوجہد کا سب سے بڑا نصب العین سمجھتے ہیں جس میں وہ اپنے ماموں کے یہاں سے الگ ہونے کے بعد مصروف ہوئے۔

حافظ ابن عساکر نے اپنی تاریخ دمشق میں طحاوی ہی کے حوالہ سے یہ روایت نقل کی ہے جس کے الفاظ یہ ہیں کہ طحاوی کہتے تھے۔

قرئت قولی الاول فرأیت المزنی فی المنام میں نے وہ بات پڑھی تو میں نے مزنی کو خواب میں دیکھا کہ

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

وھو یقول یا ابا جعفر اعضبتک ۔ وہ فرمارہے ہیں۔ ابو جعفر! میں نے تم کو غصہ دلایا، میں نے تم کو غصہ

وکررھا مرتین۔ (ج، ص ۵۹) دلایا۔ یعنی دوبار یہی فقرہ ان کی زبان پر جاری ہے۔

بظاہر اس روایت میں بیان کرنے والے نے کچھ اجزا چھوڑ دیئے ہیں۔ میرا خیال ہے کہ جب مختصر کی تصنیف سے طحاوی فارغ ہوئے ہیں۔ کیونکہ اس واقعہ کا ذکر اسی کے بعد کیا گیا ہے تو انھوں نے اپنی مختصر میں اپنے اس دعوے کو جوان کے اور مزنی کے درمیان بنارِ مخاصمت تھی جب اپنی کتاب میں پڑھا اور ماموں کا قدرتی طور پر خیال آیا ہوگا کہ اس مسئلہ میں ان سے جھگڑا ہوا تھا، رات کو جب سوئے تو مزنی کو خواب میں دیکھا کہ وہ فرمارہے ہیں کہ "ابو جعفر! میں نے تمہیں غصہ دلا دیا۔ میں نے تمہیں غصہ دلا دیا"

کنیت کے ساتھ کسی کو مخاطب کرنا عربی زبان کے محاورہ کی رو سے عزت یا محبت پر ہی دلالت کرتا ہے۔ گویا ایک طرح سے معذرت اور دل کی صفائی دونوں کا اس سے اظہار ہوتا ہے۔ ظاہر ہے کہ طبعاً جب امام طحاویؒ صبح کو اٹھے ہوں گے، خواب کا خیال آیا ہوگا، پرانا قصہ یاد آیا ہوگا۔ دونوں میں خون کا رشتہ تھا ایسے موقع پر اس کا جوش میں آجانا محل تعجب نہیں ہے ابن عساکر والی روایت میں اسی کے بعد جو یہ اضافہ ہے کہ "طحاویؒ مزنی کی قبر پر گذرے تو کہا اللہ رحم کرے آپ پر ابو ابراہیم! کاش آپ زندہ رہتے تو اپنی قسم کا کفارہ ادا فرماتے۔

کچھ تعجب نہیں کہ خواب سے متاثر ہو کر امام طحاوی اسی دن غالباً ماموں کی قبر پر پہنچے ہوں گے اور اب اسی قسم کے کفارہ کا دوبارہ ذکر انھوں نے قبر پر کیا ہوگا۔ میرے خیال میں بجائے تعریض کے اس کا مطلب یہی لینا چاہئے کہ اپنے ماموں کا امام شکریہ ادا کرتے تھے کہ آپ سے اس دن جھگڑے کا نتیجہ یہ ہوا کہ اس شہر سے ایک خیر پیدا ہو گیا۔ اگر آپ آج زندہ ہوتے اور میری علمی عظمت و شہرت اور میری فنی قابلیت ولیاقت کو دیکھتے تو خوشی سے آپ اپنی قسم کا کفارہ ادا کر دیتے۔ واقعہ یہ ہے کہ اگر یہ قصہ پیش نہ آتا تو شاید امام طحاوی میں وہ کد نہ پیدا ہوتی جس نے ان کو بالآخر امامت کے مرتبہ پر پہنچا دیا۔

بہر حال یہ تو ایک نکتہ بعد الوقوع ہے۔ کہتے ہیں یوں بھی امام طحاویؒ کی ایک گونہ عادت سی ہو گئی

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

تھی کہ جب طلبہ کو درس دیتے ہوئے کسی پیچیدہ مسئلہ کے حل کو پیش کرتے جو خود ان کے ذاتی غور و فکر کا نتیجہ ہوتا تو بیان کرنے کے بعد عموماً اسی رحم اللہ کے فقرہ کو دہراتے۔ فوائد بہیہ اور جواہر مضیہ دونوں میں ہے کہ "طحاوی کا عام دستور تھا کہ جب درس دیتے اور مشکل و پیچیدہ سوالات کا حل پیش کرتے تو اس وقت ان کی زبان پر بے ساختہ وہی فقرہ رحم کرے اللہ میرے ماموں پر اگر زندہ رہتے تو اپنی قسم کا کفارہ ادا کرتے۔

یہاں مدرسہ کا ایک دلچسپ لطیفہ قابل ذکر ہے وہی پرانی مثل "شعر مرا بمدرسہ کہ برد" کی ایک پرلطف مثال ہے۔ مطلب یہ ہے کہ طحاوی کا یہ قول کہ "میرے ماموں کو اپنی قسم کا کفارہ دینا پڑتا اگر زندہ رہتے" اس پر مدرسہ کے مولویوں نے ایک اعتراض جوڑ دیا کہ امام مزنی نے "و اللہ ما جاء منك شئ" کہا تھا یعنی قسم میں صیغہ ماضی کا تھا اور واللہ بھی ایسے مواقع میں جب بغیر نیت کے سبقت لسانی کے طور پر نکل جاتا ہے تو ایسی صورت میں طحاوی کا جو مذہب ہے یعنی حنفی فقہ کی رو سے کفارہ ہی کب واجب ہوتا ہے؟ غالباً کسی ملا نے شاہ عبدالعزیز صاحب پر یہ اعتراض کیا تھا۔ مدرسہ میں جب اعتراض اٹھ جائے تو بھلا اس کا جواب نہ دیا جائے بغیر اس کے لوگوں کی تسلی کیسے ہوسکتی ہے۔ بیچارے شاہ عبدالعزیز صاحب نے بستان المحدثین میں اس کا یہ جواب دیا تھا۔

ایں حکم بر مذہب مزنی است	کفارہ دلانے کا حکم مزنی کے مذہب کے مطابق ہے
نہ بر مذہب طحاوی۔	نہ کہ طحاوی کے مذہب کی بنیاد پر

یعنی شافعیوں کے مذہب میں چونکہ اس قسم کی قسم جو بغیر قصد و ارادہ کے ہو اس پر بھی کفارہ لازم آتا ہے تو مزنی کو اپنے مذہب کی رو سے تو کفارہ دینا ہی پڑتا اور یہی طحاوی کی مراد تھی مگر مدرسہ کا یہ بھی قاعدہ ہے کہ جو اعتراض وہاں اٹھا پھر قال اقول کا سلسلہ ختم نہیں ہوتا۔ مولانا عبدالحی فرنگی محلی نے اپنی کتاب الفوائد البہیہ کے حاشیہ پر شاہ صاحب کے اس جواب پر پھر اعتراض کر دیا۔

قلت هذا انما يصح اذا كان يمينه بلفظ	میں کہتا ہوں کہ شاہ صاحب کا یہ جواب اس وقت
لا جاء منك على لفظة الماضي كما في	صحیح ہوسکتا ہے اگر لا جاء منك میں ماضی کا صیغہ

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

بعض الکتب واما اذا کان یمینہ بلفظۃ یجیئ علی الاستقبال فالکفارۃ واجبۃ فیہ عندنا ایضا کما لا یخفی علی ماہر الفقہ۔

ہوجائے جیسا کہ بعض کتابوں میں ہے لیکن اگر مزنی کی قسم مضارع کے لفظ یجیئ کی شکل میں ہو یعنی مستقبل سے صیغہ کا تعلق ہے تو کفارہ ایسی صورت میں حنفی مذہب کے رو سے واجب ہے۔

ظاہر ہے کہ یہ ایک تاریخی مسئلہ ہے کوئی قرآن کی آیت بلکہ حدیث بھی نہیں ہے کہ مورخین بیچارے بجنسہ ان الفاظ کے نقل کے ذمہ دار ہوں جو مزنی نے کہے تھے۔ میں نے کہیں نقل بھی کیا ہے کہ انھیں کتابوں میں لا افلحت وغیرہ کے الفاظ بھی آئے ہیں۔ اس لئے اس پر بحث ہی غیر ضروری ہے ورنہ اگر سوال اٹھایا جائے تو بہت سے اُٹھ سکتے ہیں۔ مثلاً یہی کہ اگر کوئی قسم کھاکر مرجائے اور واقعہ اس کی قسم کے خلاف ظہور پذیر ہو تو قسم کھانے والے کو گناہ ہوگا یا نہیں اگر وہ ذمہ دار ہے تو ورثہ کو "اودین" کے تحت وجوباً یا یوں ہی تبرعاً کفارہ ادا کرنا چاہیے یا نہیں مگر میری غرض صرف ایک دلچسپ لطیفہ کا ذکر ہے۔ بھلا تاریخی مباحث میں اگر ان سلسلوں کو چھیڑا جائے گا تو کیا ایک واقعہ بھی ختم ہوسکتا ہے؟ مگر اس میں کوئی شبہ نہیں کہ امام طحاوی ؒ کے لئے اس دن کا یہ قصہ اسی " امراۃ سوداکا یوم الحدیا ہوگیا جس کا ذکر حضرت عائشہ ؓ کے حوالہ سے صحیح بخاری میں ہے اور جو ہر مجلس سے اٹھتے ہوئے

ویوما الحدیا من تعاجیب ربنا — چیل[1] کا دن ہمارے رب کے عجیب دنوں میں تھا

الا انہ من بلدۃ الکفر انجانی — اسی دن میرے رب نے کفر کی آبادی سے نجات بخشی

پڑھا کرتی تھی۔ [1]

(باقی آئندہ)

---

[1] مختصر قصہ اس کا یہ ہے کہ ایک حبشن باندی کسی قبیلہ میں رہتی تھی جس کی لونڈی تھی اس کے گھر کا ایک زیور غائب ہوگیا تھا۔ عام خیال لوگوں کا یہی ہوا کہ اس لونڈی کا کام ہے۔ مار دھاڑ ہوئی مگر وہ بالکل ناواقف تھی کہ عین اس حال میں کہ اس پر تشدد ہورہا تھا فضا سے کوئی چیز گری۔ دیکھتے ہیں کہ وہ زیور ہے۔ سرخ چمڑے سے چونکہ مڑھا ہوا تھا چیل اچک کرلے بھاگی تھی سمجھی کہ گوشت کا کوئی ٹکڑا ہے لیکن کام کا نہ پاکر اس نے چنگل سے چھوڑ دیا۔ لونڈی بیچاری کی جان بچ گئی۔

مگر اس ظلم کا اس پر اتنا اثر ہوا کہ اس قبیلہ سے فرار ہوکر وہ مدینہ منورہ چلی آئی اور مسلمان ہوکر وہیں رہنے لگی، اپنے اسی واقعہ کو کبھی کبھی یاد کرتی تھی ۱۲۔

© rasailojaraid.com